ایم۔ ڈبلیو۔ گذدر لیکچرار۔ کراچی

حنفی فقہ کی خصوصیات

بقول شبلی نعمانی اسلامی علوم مثلاً تفسیر، حدیث، مغازی ان علوم کی ابتدا اگرچہ اسلام کے ساتھ ساتھ ہوئی لیکن جس وقت تک ان کو فنون کی حیثیت نہیں حاصل ہوئی، وہ کسی خاص شخص کی طرف منسوب نہیں ہوئے۔ دوسری صدی ہجری کے اوائل میں تدوین و ترتیب شروع ہوئی اور جن حضرات نے تدوین و ترتیب کی وہ ان علوم کے بانی مبانی کہلائے۔ چنانچہ بانیٔ علم فقہ امام ابوحنیفہ کہلائے۔ جس طرح ارسطو علم منطق کا موجد ہے، تو بلاشبہ امام ابوحنیفہ بھی علم فقہ کے موجد ہیں۔ امام صاحب کی علمی زندگی کا بڑا کارنامہ علم فقہ ہی ہے مگر یہ کہنا درست نہیں ہے کہ امام اعظم فقہ اسلامی کے بانی مبانی یا موجد ہیں۔ اس لیے کہ خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ مثلاً حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عائشہؓ، حضرت زید بن ثابتؓ وغیرہ کی کوشش سے فقہ اسلامی کو فروغ حاصل ہوا۔ مگر بے شک ابوحنیفہ نے اس فن کو ارتقا تک پہنچایا۔ (سیرت نعمان)

اب ہمارے لیے ضروری ہے کہ مختصر طور پر علم فقہ کی تاریخ کا جائزہ لیں جس سے ظاہر ہو کہ یہ علم کب شروع ہوا اور خصوصاً یہ کہ امام صاحب نے جب اس کو حاصل کیا تب اس کی حالت کیا تھی۔ اس سوال کا جواب شاہ ولی اللہ دہلوی کی معرکۃ الآرا تصنیف "حجۃ اللہ البالغہ" میں دیا گیا ہے۔"

حضور صلعم کے زمانے میں احکام کی قسمیں نہیں پیدا ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلعم صحابہ کرامؓ کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے تھے کہ یہ رکن ہے۔ یہ واجب ہے۔ یہ مستحب ہے۔ صحابہ کرامؓ

آپؐ کو دیکھ کر اسی طرح وضو کرتے تھے۔ نماز کا بھی یہی حال تھا یعنی صحابہ کرام فرض و واجب کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے جس طرح آنحضرت کو نماز پڑھتے دیکھا۔ انھوں نے اسی طرح خود بھی نماز پڑھ لی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلعم سے تیرہ مسائل دریافت کیے جو کہ سب کے سب قرآن میں موجود ہیں۔ البتہ جو غیر معمولی طور سے پیش آتے تھے۔ اُس پر آپؐ سے استفتاء کرتے۔ اور آپؐ جواب دیتے تھے۔

آں حضرت صلعم کی وفات کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت حاصل ہوئی۔ اور تمدن کا دائرہ بھی وسیع تر ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد و استنباط کی ضرورت پڑی، اور اجمالی احکام کی تفصیل پر متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی شخص نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ نماز ادا ہوئی یا نہیں؟ اس بحث کے پیدا ہونے کے ساتھ یہ ممکن نہ تھا کہ نماز میں جس قدر اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ کرام کو تفریق کرنی پڑی۔ کہ نماز میں کتنے ارکان فرض و واجب ہیں۔ کتنے سنون اور مستحب اس تفریق کے لیے جو اصول قرار دیے جا سکتے تھے ان پر تمام صحابہ کرامؓ کی آرا کا متفق ہونا ممکن نہ تھا۔ اس لیے مسائل میں اختلاف آرا ہوا۔ اور اکثر مسئلوں میں صحابہ کرام کی مختلف آرا قائم ہوئیں۔ بہت سے ایسے واقعات بھی پیش آئے کہ آنحضرت صلعم کے زمانے میں ان کا عین واقع بھی پایا نہیں گیا تھا۔ صحابہ کرام کو ان صورتوں میں استنباط بتفریع عمل النظیر قیاس سے کام لینا پڑا۔ ان اصول کے طریقے یکساں نہ تھے۔ اس لیے ضروری اختلاف پیدا ہوئے۔ غرض کہ صحابہ کرام ہی کے زمانے میں احکام اور مسائل کا دفتر بن گیا اور جُدا جُدا طریقے قائم ہو گئے۔ صحابہ کرام میں جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا، وہ مجتہد و فقیہ کہلائے۔ ان میں سے چار حضرات نہایت ممتاز تھے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباس۔ ان حضرات میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ زیادہ تر کوفہ میں رہے۔ اور وہیں ان مسائل و

احکام کی زیادہ ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دارالعلوم بن گیا۔ جس طرح کہ حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تعلق سے حرمین شریفین کو دارالعلوم کا لقب حاصل ہوا تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آنحضرت صلعم کی خدمت میں پورے چودہ سال رہے۔ اور آپؐ کی صحبت سے بہرہ ور ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حدیث و فقہ میں کامل تھے، اور آپ کا دعویٰ تھا کہ قرآن شریف میں کوئی ایسی آیت نہیں ہے جس کی نسبت میں یہ نہیں جانتا ہوں کہ کس باب میں اتری ہے، وہ کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کا مجھ سے بہتر عالم ہوتا تو میں اس کی خدمت میں ضرور حاضر ہوتا۔ آپ نے باقاعدہ طور پر حدیث و فقہ کی تعلیم کوفے میں دینی شروع کی اور ان کی درس گاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا۔ جن میں چند حضرات قابلِ ذکر ہیں۔ مثلاً اسود، عبیدہ بن حارث، علقمہ وغیرہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا قول تھا جس قدر علقمہ کی معلومات ہیں میری معلومات اس سے زیادہ نہیں۔ اس سے زیادہ فخر کی بات کیا ہوگی کہ صحابہ ان سے مسائل دریافت کرنے آتے تھے۔ علقمہ کی وفات کے بعد ابراہیم نخعی مسند نشین ہوئے۔ اور فقہ کو بہت وسعت دی۔ یہاں تک کہ ان کو "فقیہ العراق" کا لقب ملا۔ اور حدیث کے علم میں "صیرفی الحدیث" کہلاتے۔ ان کے عہد میں مسائل فقہ کا ایک مختصر مجموعہ تیار ہوگیا تھا۔ جس کا ماخذ حدیث نبویؐ اور حضرت علیؓ، حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کے فتاویٰ تھے۔ ان کے مرنے کے بعد ان کے شاگرد رشید حماد جانشین بنے۔ الحماد ۱۲۰ھ میں رحلت فرما گئے اور لوگوں نے ان کی جگہ امام ابوحنیفہؒ کو مسند پر بٹھایا۔ یہ لوگ اہل الرائے کہلائے۔

مدینہ منورہ میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ جو اسرارِ شریعت کے رازداں تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ جن سے بڑھ کر آں حضرت صلعم کے اعمال و سنن کا متبع و واقف کار کوئی دوسرا نہ تھا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حبر الامۃ تھے، حضرت ابوہریرہؓ جن سے بڑھ کر حدیث کا کوئی دوسرا راوی نہیں۔ حضرت زید بن ثابتؓ جو کاتب وحی تھے ان سب کی درس گاہیں اسی شہر مدینہ میں آباد تھیں۔ جن سے ہزاروں اشخاص وحی و سنت کے علوم کے وارث

بن کر نکلے۔ ان کے شاگردوں میں فقہائے سبعہ۔ (۱) ابوبکر بن حارث۔ (۲) خارجہ بن زید۔ (۳) قاسم بن محمد۔ (۴) سعید بن مسیب۔ (۵) عبداللہ بن عتبہ۔ (۶) سالم بن عبداللہ۔ (۷) سلیمان بن یسار بہت مشہور ہیں۔

صحابہ کرام کے بعد تمام فتاویٰ و مسائل اور مقدمات و قضایا انہی کے فیصلوں سے طے پاتے تھے۔ ان کی مجلس اجتماعی اس عہد کی سب سے بڑی عدالت عالیہ تھی۔ فقہ مدینہ یعنی اہل حدیث انہی بزرگوں کی علمی مجالس کا نتیجہ تھی اور وہ پیشوا جن کا مسلک باقاعدہ مذہب کی صورت میں رواج پذیر ہوا۔ امام مالکؒ ہیں جو اپنے فرقے کے سرتاج اور سرکردہ ہیں۔ اور ان کے بعد حضرت امام شافعیؒ کا اسم گرامی ہے۔ انہی بزرگوں کے مذاہب دنیا میں رائج ہوئے۔ ان کے بعد منکرین قیاس کا طائفہ پیدا ہوا۔ جنھوں نے قیاس پر عمل کرنے کو سراسر لغو بتلایا۔ ان منکرین قیاس کو "ظاہریہ" کہتے ہیں۔ اس کا بانی داؤد بن علی تھا۔ امت میں تین مذہبوں نے زور پکڑا یعنی حنفی، مالکی، شافعی، مگر اہل بیعت نے اپنی فقہ جداگانہ مدوّن کی اور اس پر مذہب کی بنیاد رکھی۔ اسی طرح خوارج نے بھی اپنی فقہ علیحدہ ترتیب دی۔ بقول ابن خلدون، امام احمد بن حنبلؒ نے امام شافعیؒ کے بعد آپ کی جگہ لی۔ ان کے مقلدین کی تعداد بہت کم ہے کیوں کہ ان کا مذہب اجتہاد سے دور ہے اور اس کا اعتماد زیادہ تر روایات پر ہے۔

ہمارے خیال میں ابن خلدون کا یہ کہنا کہ حنبلی مذہب میں اجتہاد کی گنجائش نہیں رکھی گئی ہے بالکل بے بنیاد بات معلوم ہوتی ہے کیوں کہ حنبلی فقہ میں لوگ استدلال و استصحاب پر عمل کرتے ہیں جب کہ کسی مسئلہ میں انھیں نصوص نہ ملے۔[۱]

ابن خلدون کا یہ کہنا بھی درست نہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کو صرف سترہ احادیث یاد تھیں۔ علامہ ذہبی نے جو کہ تمام محدثین کے پیشوا اور امام سمجھے جاتے ہیں۔ حفاظ حدیث کے حالات پر ایک کتاب لکھی

---

[۱] (حیات احمد بن حنبل۔ ابو زہرہ)

ہے۔ اس کتاب میں کسی ایسے شخص کا حال نہیں لکھا جو علم حدیث کا بڑا امام نہ ہو۔ چنانچہ خارجہ بن زید بن ثابت کا ضمناً ایک موقع پر ذکر کیا ہے اور لکھتے ہیں کہ :۔

"میں نے ان کو حفاظ حدیث میں اس لیے ذکر نہیں کیا۔ کیوں کہ وہ قلیل الحدیث تھے"۔[1]

امام ابوحنیفہ کے محدث ہونے کا اس سے زیادہ کیا ثبوت درکار ہے۔ جب حافظ ابوالمحاسن دمشقی شافعی نے بحوالہ یحییٰ بن معین بیان کیا ہے کہ ہم لوگ امام ابوحنیفہؒ سے مسائل میں بحث کرتے تھے جب ان کی رائے قائم ہو جاتی تھی تو میں اس وقت حلقۂ درس سے اُٹھ کر کوفہ کے محدثین کے پاس جاتا تھا۔ اور ان سے مسئلہ کے متعلق احادیث دریافت کر کے امام صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ امام صاحب ان حدیثوں میں سے بعض کو قبول کرتے تھے اور بعض کو رد فرما دیتے تھے جب میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کیوں کر معلوم ہوا۔ تب آپ نے فرمایا کہ کوفے میں جو علم ہے میں اس کا عالم ہوں[2]

اب یہ بات بیّن و واضح ہو گئی کہ ابوحنیفہ علم حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ اور ابن خلدون اور دیگر علما کا یہ کہنا درست نہیں کہ امام ابوحنیفہ کو سترہ احادیث ہی یاد تھیں۔

علاوہ ازیں جس بات نے امام ابوحنیفہؒ کو اپنے تمام ہم عصروں میں امتیازی حیثیت دی وہ اور چیز ہے جو ان سب باتوں سے بالاتر ہے یعنی احادیث کی تنقید اور بہ لحاظ ثبوت احکام ان کے مراتب کی تفریق، روایت و درایت کا تجزیہ کرنا۔ تنقید احادیث و امتیاز مراتب میں امام اعظمؒ کی تحقیق کی جو حد ہے۔ آج بھی ترقی کا قدم اس سے آگے نہیں بڑھتا۔ بقول ابن خلدون :۔

"اہل عراق کے امام اور مذہبی پیشوا امام ابوحنیفہ ہیں۔ جن کا مقام فقہ میں اتنا اعلیٰ و ارفع ہے کہ کوئی اُن تک پہنچ نہ سکا۔ یہاں تک کہ ان کے ہم مشرب حضرات خصوصاً امام

---

[1] (حجۃ اللہ البالغۃ)

[2] (عقود الجمان)

مالک و امام شافعی کھلے اور واضح الفاظ میں کہہ گئے کہ فقہ میں ابوحنیفہ کا کوئی مثیل و نظیر نہیں"۔ (مقدمہ)

حنفی فقہ درحقیقت چار شخصوں یعنی امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام زفر، امام محمد بن حسن شیبانی کی آراء کا مجموعہ ہے۔ شیخین نے کئی مسئلوں میں امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا ہے کیوں کہ یہ لوگ مجتہد مطلق تھے۔ یہ حنفی مذہب بڑی تیزی سے تمام ملک میں پھیل گیا۔

علامہ ابن خلدون کہتا ہے:-

"امام ابوحنیفہ کے مقلدین آج عراق، ہند و چین، ماوراء النہر اور بلادِ عجم میں بکثرت پھیلے پڑے ہیں، ان کی کثرت کی وجہ دراصل یہ ہوئی کہ اوّل تو اس مذہب حنفی نے دارالاسلام عراق میں جنم لیا جس کو قدرتاً مقبولیت عام نصیب ہوئی، پھر ان کے شاگردوں نے خلفاء عباسیہ کی صحبت میں رہ کر تالیفات کے انبار لگا دیے۔ اور شافعیوں کے ساتھ زبردست مناظرے رہے۔ اور اختلافی مسائل میں اچھی اچھی بحثیں اُن کے قلم سے نکلیں۔ یوں وہ علم میں منجھ گئے۔ اور عمیق النظر بن گئے اور جو کچھ اُن کی فضیلت اور برتری تھی وہ منظرِ عام پر آگئی۔ حنفیوں کے کچھ علمی کارنامے قاضی ابن العربی اور ابو ولید الباجی کے توسط سے مغرب میں بھی پہنچ گئے۔" (مقدمہ)

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حنفی مذہب کو جو قبول عام نصیب ہوا، وہ دراصل حکومت کے صدقے سے ہوا۔ ابن حزم جو اربابِ ظاہر کے مشہور امام تھے۔ ان کا قول ہے "دو مذہبوں نے سلطنت کے زور سے ابتداء ہی میں رواج عام حاصل کیا۔ ایک امام ابوحنیفہ کا مذہب۔ کیوں کہ جب قاضی ابو یوسف کو قاضی القضاۃ کا منصب ملا تو انھوں نے حنفی لوگوں کو عہدہ قضاۃ پر مقرر کیا۔ دوسرا امام مالک کا مذہب اندلس میں لیکن یہ ابن حزم کی ظاہر بینی ہے۔ امام ابوحنیفہ ۱۲۰ھ میں مسندِ اجتہاد پر بیٹھے اور قاضی ابو یوسف نے ۱۷۰ھ کے بعد قاضی القضاۃ کا منصب حاصل کیا۔ کیوں کہ ان کے تقرر اور عروج کا زمانہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے عہد سے شروع ہوتا ہے جو کہ ۱۷۰ھ میں تخت نشین ہوا

تھا۔ قاضی ابو یوسف کے فروغ سے پچاس برس کا زمانہ گذر چکا تھا جس میں امام ابو حنیفہ کے مذہب نے قبول عام حاصل کر لیا تھا۔ اور ان کے بے شمار شاگرد قضاۃ کے عہدوں پر مامور ہو چکے تھے۔ اس کامیابی کو کس طرف منسوب کیا جائے۔ یہ ضروری ہے کہ قاضی ابو یوسفؒ کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے مسائل کو اور زیادہ عروج ہوا۔ لیکن مذہب کا اصل عروج قاضی ابو یوسف کی کوششوں کا محتاج نہ تھا۔ امام فخر الدین رازی نے باوجود مخالفت کے تسلیم کیا۔ "یعنی اصحاب الرائے کا مذہب قوی ہو گیا اور شہرت پکڑ گیا اور اس کی وقعت دلوں میں بہت زیادہ ہو گئی۔ پھر اس کے بعد امام ابو یوسف و امام محمد بن حسن شیبانی کو خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں رسائی حاصل ہوئی اس حنفی مذہب کی قوت بہت زیادہ بڑھ گئی۔ کیوں کہ علم اور حکومت دونوں مجتمع ہو گئے۔" اس کے علاوہ قاضی ابو یوسف کا اثر خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے تک محدود تھا۔[1]

دیرپا اور غیر منقطع کامیابی کس نے پیدا کی؟

یوں تو بعض ائمہ نے بھی اپنے عہد میں نہایت عروج حاصل کیا تھا۔ جیسے امام اوزاعی اپنی زندگی میں بلکہ زمانہ مابعد تک بھی تمام ملک شام کے امام مطلق تسلیم کیے گئے تھے۔ اور ان ممالک میں لوگ عموماً انہی کی تقلید کرتے تھے لیکن وہ ایک محدود اثر تھا جو بہت جلد لوگوں سے کم ہوتا رہا۔ ان واقعات سے صاف و واضح نتیجہ نکلتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے مذہب میں ایسی خاص الخاص اور بنیادی خوبیاں ہیں جو دوسرے مذاہب میں نہیں ہیں۔

تمام بلادِ اسلامیہ میں جن ائمہ کی فقہوں نے رواج پایا وہ صرف چار ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ۔

مسائل فقہ کی اشاعت کا سبب اگرچہ خود ان مسائل کی خوبی و عمدگی پر ہے۔ لیکن کچھ شبہ نہیں کہ اس امر میں واضع فقہ کے ذاتی رسوخ اور عظمت کو بھی بہت کچھ دخل حاصل ہے۔ ہمارے

---

[1] (سیرت نعمان۔ شبلی نعمانی)

نزدیک امام ابوحنیفہؒ کے سوا اور مجتہدین کی فقہ کی ترویج و اشاعت کا باعث زیادہ تر ان کی ذاتی خصوصیات تھیں۔ مثلاً امام مالکؒ مدینے کے رہنے والے تھے جو نبوت کا مرکز اور خلفائے راشدین کا دارالخلافہ رہ چکا تھا اور لوگوں کو عموماً مدینہ اور اربابِ مدینہ کے ساتھ خلوص و عقیدت تھی اُن کا خاندان ایک علمی خاندان تھا اور ان کے چچا بہت بڑے محدث تھے۔ اور امام مالکؒ نے جب حدیث و فقہ میں کمال حاصل کیا تو یہ عارضی اوصاف اُن کی ذاتی قابلیت کا طرۂ افتخار بن کر نمایاں ہوئے اور تمام اطراف و دیار میں ان کی شہرت کا سکہ جم گیا۔

امام شافعی کو اور بھی زیادہ خصوصیتیں حاصل تھیں۔ مکہ معظمہ وطن تھا۔ والد صاحب کی طرف سے قریشی و مطلبی اور والدہ صاحبہ کی جانب سے ہاشمی تھے۔ آپ کے خاندان کا اعزاز آنحضرت صلعم سے ہم نسبی تھی۔ یہ ایسی چیزیں تھیں۔ جن سے بڑھ کر حسنِ قبول اور مرجعیت کے لیے اور کوئی کارگر آلہ نہیں ہو سکتا تھا۔

مگر امام ابوحنیفہؒ میں اس قسم کی کوئی خصوصیت نہ تھی۔ قریشی اور ہاشمی ہونا تو درکنار وہ عربی النسل بھی نہ تھے۔ خاندان میں کوئی ایسا شخص نہیں گذرا تھا۔ جو اسلامی گروہ کا مقتدا رہتا۔ آبائی پیشہ تجارت تھا۔ باوجود اس کے ان کی فقہ کا نام ممالک اسلامیہ میں اس وسعت اور ترقی کے ساتھ رواج پانا یقیناً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا طریقہ فقہ انسانی ضرورتوں کے نہایت مناسب اور موزوں واقع ہوا تھا۔ اور بالخصوص تمدن کے ساتھ جس قدر ان کی فقہ کو زیادہ تر انہی ملکوں میں رواج ہوا۔ جہاں تہذیب تمدن نے زیادہ ترقی نہیں کی تھی۔ علامہ ابن خلدون اس بات کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ مغرب و اندلس میں بدویت غالب تھی اور وہاں کے لوگوں نے ترقی حاصل نہیں کی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُن ممالک میں امام مالک کی فقہ کے سوا اور کسی کو فروغ نہ ہو سکا۔

حنفی فقہ جس میں امام ابوحنیفہ کے علاوہ اُن کے نامور شاگردوں کے مسائل بھی شامل ہیں۔ اس زمانے کا بہت بڑا قانون بلکہ بہت بڑا مجموعہ قوانین تھا۔ زمانۂ مابعد میں گو علمائے حنفیہ نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا۔ اور جزئیات کی تفریع کے ساتھ اصولِ فن کو نہایت ترقی دی لیکن ایجاد

کے زمانے میں جس قدر کسی فن کی حالت ہو سکتی ہے۔ وہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی، جو کہ امام ابو حنیفہؒ کے عہد میں فقہ کو حاصل ہو چکی تھی۔ اس مجموعہ میں عبادات کے علاوہ دیوانی، فوجداری، تعزیرات، لگان، مال گذاری، شہادت، معاہدہ، وراثت، وصیت اور بہت سے قوانین شامل تھے اس کی وسعت اور خوبی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی وسیع سلطنت جو سندھ سے ایشیائے کوچک تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہی اصول پر قائم تھی اور اس کے عہد کے تمام واقعات اور معاملات انہی قواعد کی بنا پر فیصل ہوتے تھے۔

فقہ دو قسم کے مسائل پر مشتمل ہے۔ اوّل وہ مسائل جو شریعت سے ماخوذ ہیں اور تشریعی احکام کہے جا سکتے ہیں۔

دوم وہ احکام جن سے شریعت نے سکوت اختیار کیا ہے۔ اور جو تمدّن اور معاشرت کی ضرورتوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ یا جن کا ذکر شریعت میں ہے لیکن تشریعی طور پر نہیں پہلی قسم کے مسائل کے لحاظ سے فقیہ کی حیثیت شارح و مفسّر کی حیثیت ہے جس کے لیے مہارت زبان، واقفیت نصوص، قوتِ استنباط توفیق، متعارضات، ترجیح دلائل ہے۔ دوسرے قسم کے احکام کے لحاظ سے واضع فقہ ایک مقنن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام میں بہت سے نامور بزرگ گذرے ہیں جو قرآن و حدیث کے عمدہ مفسّر و شارح تھے۔ لیکن مقننانہ قابلیت سے مبرّا تھے اسلام کے اس وسیع دور میں قدرت نے یہ دونوں قابلیتیں جس اعلیٰ درجہ پر امام اعظم میں جمع کر دی تھیں کسی مجتہد یا امام میں جمع نہیں ہوئیں۔

علم فقہ سے متعلق سب سے بڑا کارنامہ امام اعظم نے جو سرانجام دیا۔ وہ تشریعی اور غیر تشریعی احکام میں امتیاز کرنا تھا۔ آں حضرت صلعم کے اقوال و افعال جو سلسلۂ روایت سے منضبط کیے گئے۔ ان میں بہت سے ایسے امور تھے جن کو منصب رسالت سے کچھ تعلق نہ تھا لیکن بطور ایک اصطلاح کے ان سب پر حدیث کا لفظ اطلاق کیا جاتا تھا۔ فقہ کی توضیح میں ایک عام اور سخت غلطی ہوئی کہ لوگوں نے ان تمام امور کو شرعی حیثیت پر محمول کیا اور اس خیال سے ان پر مسائل اور احکام کی بنیاد قائم کی۔

حالانکہ وہ حدیثیں منصب شریعت سے علاقہ نہیں رکھتی تھیں۔ مثلاً آں حضرت صلعم نے جو طب کے متعلق ارشاد کیں اور اسی قسم میں وہ افعال داخل ہیں جو حضور صلعم سے عادتاً صادر ہوتے نہ عبادتاً اور اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً اور اسی قسم میں وہ حدیثیں داخل ہیں جو آں حضرت صلعم نے اپنی قوم کے گمان کے موافق بیان کیں۔ مثلاً ام زرع کی حدیث، خزانہ کی حدیث، اور اسی قسم میں وہ امور داخل ہیں جو آں حضرتؐ نے اس وقت مصلحت جزئی کے موافق اختیار کیے۔ وہ سب لوگوں پر واجب العمل نہیں ہیں۔ امام صاحب کا ذہن اسی نکتہ کی طرف منتقل ہوا جس کی وجہ سے بہت سے مسائل مثلاً غسل جمعہ، نفاذ طلاق، تقسیم غنائم وغیرہ میں جو حدیثیں وارد ہیں۔ امام صاحب نے غیر تشریعی حدیثوں میں داخل کیا ہے۔ لیکن امام شافعیؒ وغیرہ ان احادیث کو تشریعی سمجھتے ہیں۔

خصوصیات

فقہ حنفی اصول کے عین موافق ہے اور وہ مسائل کے اسرار اور مصالح پر مبنی ہے۔ اس لیے امام طحاوی نے اپنی کتاب شرح معانی الآثار میں اگرچہ بعض مسئلوں میں امام ابوحنیفہ سے اختلاف کیا ہے لیکن اکثر مسائل کی نسبت مجتہدانہ طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ امام اعظم کا مذہب احادیث اور طریق نظر دونوں کے موافق ہے۔[1]

اس کے برخلاف بقول فخر الدین رازی کہ امام شافعی کا مذہب عقل و قیاس سے بعید ہے۔[2]

ایک خاص سبب یہ تھا کہ دوسرے ائمہ جنھوں نے فقہ کی تدوین و ترتیب کی ان کی علمی ابتدا فقہی مسائل سے ہوتی تھی۔ مگر امام اعظم کی تحصیل علم کلام سے شروع ہوئی جس کی مہارت نے اُن کی قوت فکر اور حدیث نظر کو نہایت قوی کر دیا تھا اور ان کا مناظرہ ہمیشہ معتزلہ سے رہتا تھا جو کہ عقلی دلائل اور عقلی اصول کے پابند تھے۔ اس لیے امام صاحب کو بھی ان کے مقابلے میں انہی اصول

---

[1] شرح معانی الآثار۔

[2] مناقب الشافعی

سے کام لینا پڑتا تھا۔ اور متنازعہ فیہ مسائل میں مصالح و اسرار کی خصوصیتیں دکھائی پڑتی تھیں کہ شریعت کا ہر مسئلہ اصولِ عقل کے مطابق ہے۔ علم کلام کے بعد وہ فقہ کی طرف متوجہ ہوتے تو ان مسائل میں بھی وہی جستجو رہی۔ دوسری فقہوں میں معاملات و عبادات میں بھی ظاہر بینی کا خیال رکھا گیا ہے اور اس میں عقل کو دخل نہیں۔ مگر امام صاحب کے مسائل عموماً عقل کے موافق ہیں جیسے امام شافعی فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ان اقسام سے باہر نہ جانے پائے۔ باقی رہا یہ امر کہ ان لوگوں میں سے سب کو دی جائے۔ بعض کو یہ امر مقتضائے وقت اور ضرورت پر موقوف ہے۔ امام اور حاکم وقت کے لحاظ سے جس کو چاہے انتخاب کر سکتا ہے۔

حنفی فقہ بہ نسبت تمام اور فقہوں کے نہایت آسان اور سہل التعمیل ہے مگر اس کے برعکس اور ائمہ کے بہت سے احکام بہت سخت اور سہل التعمیل نہیں ہیں۔ اس امر کی بین مثالیں سرقہ کے احکام کے بارے میں حسب ذیل درج ہیں:۔

امام اعظم کے مسائل	دیگر ائمہ کے مسائل
۱۔ نصاب سرقہ کم از کم ایک اشرفی ہے اگر ایک نصاب میں متعدد چوروں کا ساجھا ہے تو کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔	ایک اشرفی کا ربعہ۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ہر ایک کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔
۲۔ نادان بچے کا قطع ید نہیں	امام مالک کے نزدیک قطع ید ہے۔
۳۔ کفن چور پر قطع ید نہیں	دیگر ائمہ کے نزدیک قطع ید ہے۔
۴۔ زوجین میں سے اگر ایک دوسرے کا مال چرائے تو قطع ید نہیں۔	دیگر ائمہ کے نزدیک قطع ید ہے
۵۔ قرآن مجید کے سرقہ پر قطع ید نہیں	امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک قطع ید ہے[1]

---

[1] بحوالہ سیرت نعمان۔ شبلی نعمانی

فقہ حنفی کے قاعدے نہایت وسیع اور تمدن کے موافق اور عین دنیوی ضرورتوں کے مطابق ہیں۔ مثلاً امام شافعی ہبہ کے لیے قبضہ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ شفعہ مسایہ کو جائز نہیں رکھتے۔ تمام معاملات میں مستور الحال کی شہادت کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ گواہانِ نکاح کے لیے ثقہ ہونے کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ ذمیوں کے باہمی معاملات میں بھی ان کی شہادت جائز قرار نہیں دیتے۔ یہ باتیں ان ممالک میں قابلِ عمل ہیں۔ جہاں تمدن نے ترقی و وسعت نہ حاصل کی ہو۔ مگر ترقی یافتہ ملکوں میں معاملات بالکل مختلف پیچ در پیچ صورتیں اختیار کر لیتے ہیں وہاں پر ایسے احکام کا قائم رہنا آسان نہیں یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے امام شافعی سے اختلاف کیا۔ مثال کے طور پر ہم صرف مسائل نکاح کا ذکر کرتے ہیں جو عبادات اور معاملات دونوں کا جامع ہے جیسے "حرمت بالزنا" کا مسئلہ ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ زنا سے حرمت کے احکام نہیں پیدا ہوتے۔ مثلاً باپ نے کسی عورت سے زنا کیا تو بیٹے کا نکاح اس عورت سے جائز ہے۔ اور اگر کسی شخص نے کسی عورت سے زنا کیا، اور اُس کی لڑکی پیدا ہوئی۔ تو خود وہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔ امام اعظم اس کے بالکل مخالف ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے نطفہ سے جو اولاد ہو گو زنا ہی سے ہوئی ہو اُس کے ساتھ نکاح اور مقاربت کا جائز رکھنا بالکل اصولِ فطرت کے خلاف ہے۔

امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک عورت گو عاقلہ و بالغہ ہو نکاح کے بارے میں خود مختار نہیں بلکہ ولی کی محتاج ہے۔ اس کے برعکس امام اعظم کے نزدیک بالغہ عورت اپنے نکاح کی آپ خود مختار ہے۔ اگر نابالغی کی حالت میں ولی نے نکاح کر دیا تو بالغ ہو کر نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ امام اعظم نے اس اصول کو نہایت قوت کے ساتھ ملحوظ رکھا ہے۔ انھوں نے طریقۂ انعقاد، تعین مہر، ایقاع طلاق، نفاذ خلع کے جو قاعدے قرار دیے اُن سب میں اصول سے کام لیا ہے مثلاً:

	امام اعظم	دیگر ائمہ
۱-	جب تک فریقین کی حالت میں استقامت ہو طلاق دینا حرام ہے	امام شافعی کے نزدیک حرام نہیں

۲ - ایک بار تین طلاق دینا حرام ہے اور اس کا مرتکب عاصی ہے	امام شافعی و احمد بن حنبل کے نزدیک کچھ مضائقہ نہیں۔
۳ - مہر کی تعداد کسی حالت میں دس درہم سے کم نہیں ہوسکتی تاکہ مرد کو فسخ طلاق پر آسانی سے جرأت نہ ہو۔	امام شافعی کے نزدیک ایک حبہ بھی مہر ہوسکتا ہے۔
۴ - جسمانی بیماری مثلاً برص وغیرہ فسخ نکاح کا سبب نہیں ہوسکتا۔	امام شافعی و مالک کے نزدیک اُن وجوہ پر فسخ نکاح ہوسکتا ہے [۱]

امام شافعی کے نزدیک گواہانِ نکاح عادل ہونے چاہئیں ورنہ نکاح صحیح نہیں۔ ایسے عادل شخص کا ملنا بہت مشکل کام ہے اور امام شافعی کے نزدیک گواہ مرد ہونے چاہئیں۔ مگر امام اعظم کے نزدیک عورتیں بھی گواہ ہوسکتی ہیں۔

امام ابوحنیفہ نے ذمیوں کو جو حقوق دیئے ہیں دنیا میں کسی حکومت نے کبھی کسی غیر قوم کو نہیں دیئے۔ یورپ جس کو اپنے قوانین اور انصاف پر بڑا ناز ہے بے شک زبانی دعویٰ کرسکتا ہے لیکن عملی مثالیں نہیں پیش کرسکتا۔ حالاں کہ امام اعظم کے یہ احکام اسلامی حکومتوں میں عملاً نافذ تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ قتل و قصاص کا ہے۔ امام اعظم کے نزدیک ذمیوں کا خون مسلمان کے خون کے برابر ہے اور غلطی سے قتل کیا جائے تو جو خون بہا مسلمانوں کے قتل با الخطاء سے لازم آتا ہے وہی ذمی کے قتل سے لازم آئے گا جس پر شافعیوں نے احناف کو طعنہ دیا۔ اہل ذمہ ہر قسم کی تجارت کرسکتے ہیں اور اُن سے اسی شرح سے ٹیکس لیا جائے گا۔ جزیہ جو اُن کی محافظت کا ٹیکس ہے اس کی شرح حسب حیثیت قائم کی جائے گی۔ مفلس شخص جزیہ کا باقی دار ہو کر مرجائے تو جزیہ ساقط ہوجائے گا۔ ذمیوں کے معاملات انہی کی شرع کے مطابق طے ہوں گے۔

---

[۱] (شبلی۔ سیرت نعمان)

اس کے برخلاف امام شافعی کے نزدیک کسی مسلمان نے اگرچہ عمداً کسی ذمی کو قتل کر دیا ہو تاہم وہ قصاص سے بری رہے گا۔ صرف دیت دینی پڑے گی۔ امام مالک کے نزدیک اگر ذمی تجارت کا مال ایک شہر سے دوسرے شہر لے جائے۔ ہر بار اُس سے ٹیکس وصول کیا جائے گا۔

فقہ حنفی کی ایک نمایاں خصوصیت نصوص شرعی کے موافق ہے۔ مثلاً امام اعظم کی امام باقر والی گفتگو سب سے بڑی دلیل ہے۔ جیسے ابو حنیفہؒ نے فرمایا:۔

"اگر میں قیاس کرتا تو کہتا کہ عورت کو زیادہ حصہ دیا جائے۔ کیوں کہ یہ صنفِ نازک ضعیف کو ظاہری قیاس کی بنا پر زیادہ ملنا چاہیے۔ مگر چوں کہ آں حضرت صلعم کی حدیث موجود ہے جس میں عورت کو مرد کے مقابلے میں نصف حصہ بتلایا گیا ہے۔ لہٰذا میں نے مذکورہ حدیث پر عمل کیا۔"

امام اعظم تمام مسائل "استحسان" کے ذریعے حل کرتے تھے۔ یعنی جب کسی مسئلہ میں قیاس سے زیادہ قوی دلیل موجود ہو۔ یعنی قرآن و حدیث یا اجماع، تو فقہا نے صریح قیاس ترک کر کے زیادہ قوی دلیل کے مطابق فتویٰ دیا۔ اور یہی استحسان کا مفہوم ہے۔

دوسرے اماموں نے تقدیری اور فرضی مسائل پر فتویٰ دینے سے انکار فرمایا۔ مگر امام ابو حنیفہؒ نے اپنے لایق و قابل چالیس شاگردوں کی مدد سے لاتعداد فرضی مسائل کے فتویٰ دیے ہیں جو کہ بہت بڑا گراں مایہ کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین امام اعظم کو Speece latine Lawyer کہتے ہیں۔